قانونِ فطرت اور قوموں کا عروج

طلعت منظور احمد

کسی قوم اور ملک کے لیے نظام وضع کرتے وقت سب سے پہلے یہ بات پیش نظر رکھنی چاہیے کہ جن لوگوں کے لیے نظام وضع کیا جا رہا ہے اُن کا طرز زندگی کیا ہے؟ وہ کس قسم کی حکومت اور کیسے حکمران چاہتے ہیں؟ کون سی فکر اُن پر غالب ہے؟ وہ کس نظام کے تحت زندگی گزارنا چاہتے ہیں؟ کون سے فلسفۂ زندگی پر وہ ایمان رکھتے ہیں؟ کس اخلاقی معیار کو وہ سند مانتے ہیں' اور کون سی معاشرتی قدروں کو پروان چڑھا کر معاشرے کی تعمیر کرنا چاہتے ہیں' اور کس نظریاتی اور فکری اساس پر اپنے نظام کا ڈھانچا استوار کرنا چاہتے ہیں؟ کسی بھی نظام کا خاکہ تیار کرتے وقت اِن تمام حقائق کو لازماً ملحوظِ خاطر رکھنا ہوگا۔ اس سے انحراف کر کے اُن کے لیے ایسا نظام ترتیب دینا جو اُن کے فلسفۂ زندگی' اُن کے ایمان کے تقاضوں اور معاشرتی اور اخلاقی قدروں سے متصادم ہو' کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔

لوگوں کا پختہ ایمان جب ایک نظامِ زندگی پر ہو اور وہ اس سے انحراف کے لیے ہرگز تیار نہ ہوں لیکن وہ زندگی بالکل ایک دوسرے نظام کے تحت گزار رہے ہوں تو فکر و عمل کے اس متضاد رویے سے بے شمار تضادات جنم لیتے ہیں' جب کہ ''قانونِ فطرت'' عقیدے اور عمل کے اس متضاد رویے کو ہرگز قبول نہیں کرتا۔ لہٰذا ایسی قومیں اور معاشرے ''منافقت'' جیسی قبیح اور لاعلاج بیماری کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اس سے جھوٹ' مکر و فریب' دغابازی' خیانت اور وعدہ خلافی جیسی قبیح خصائل قومی زندگی کا ایک لازمی حصہ بن جاتے ہیں۔ اس سے اِن کی ذہنی سوچ بھی غیر متوازن ہو جاتی ہے۔ ایسی قوموں میں عدل و انصاف خاص طور پر قابل خرید و فروخت جنس بن کر رہ جاتا ہے۔

زندگی میں منافقانہ رویے چونکہ انسان کے اندر قابل قدر حقیقی جذبات کو پنپنے نہیں دیتے' اس لیے یہ رویے انسان کے سچے جذبات اور آرزوؤں کو کچل کر ذہنی بالیدگی کو روک دیتے ہیں اور فکری اور ذہنی انتشار کو فروغ دینے کا باعث بنتے ہیں۔ اس سے علم و دانش کا دم گھٹ جاتا ہے' تحقیق و جستجو ختم ہو جاتی ہے' ایجاد و اختراع

کا راستہ بند ہو جاتا ہے' عدم برداشت اور متشدد رویے اُبھرنے لگتے ہیں۔

دنیا میں قوموں کی ترقی کا راز کسی ایک مخصوص نظام سے وابستہ نہیں۔ نظام چاہے کوئی بھی ہو اصل چیز اس نظام کا قوم اور معاشرے کی نظریاتی اساس یا فکری بنیاد کے ساتھ ہم آہنگ ہونا ہے۔ یہ نظام سیکولر ہو یا اس کی بنیاد کسی مذہب کے قوانین و افکار پر ہو' اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ یہ مذہب ہندومت' یہودیت' عیسائیت' اسلام یا کوئی بھی مذہب ہو سکتا ہے۔ اگر کوئی قوم سیکولر فکر کی حامل ہے اور اس کے مطابق اپنے نظام کو ترتیب دے کر کمال ایمان داری اور یکسوئی کے ساتھ اِس کو اپنا آئیڈیل بنا کر اس پر عمل پیرا ہو جاتی ہے' اور پوری دیانت کے ساتھ اس کو اپنی فلاح اور ترقی کا ذریعہ سمجھتی ہے تو گویا یہ قوم اس نظام کو ایک طرح سے اپنا عقیدہ بنا لیتی ہے۔ اس طرح یہ قوم اور معاشرہ ہر قسم کے ذہنی خلجان اور انتشار سے بچ جاتا ہے اور کسی کج روی کا شکار نہیں ہوتا اور ''منافقت'' جیسی قبیح بیماری سے اپنے آپ کو بچا لیتا ہے کیونکہ اس کے فکر و عمل میں کوئی تضاد نہیں رہتا۔ یہ نظام قوم کے لیے ایک تقدس کا درجہ حاصل کر لیتا ہے۔ اس کا عقیدہ' اس کے معاشرتی تقاضے' قومی ضرورتیں اور مادی حاجات ہم آہنگ ہو جاتے ہیں' اور قوم یکسوئی فکر و عمل کی وجہ سے تیز رفتاری کے ساتھ اپنی منزل کی طرف گامزن ہو جاتی ہے۔ خدا بھی اپنی مشیت کے تحت' انسان کے حالت امتحان میں ہونے اور اختیار کی آزادی کے تحت اس کو اس راہ میں آگے بڑھنے کا موقع اس وقت تک دیتا ہے جب تک وہ انتظامِ دنیا میں کسی بڑے بگاڑ' فساد' بدنظمی یا ظلم و ستم کا باعث نہ بنے۔ خدا کے اس قانون میں مسلم اور غیر مسلم کی تمیز روا نہیں رکھی جاتی۔

فطری رہنمائی جبلی طور پر ہر جان دار مخلوق کو ودیعت کی گئی ہے۔ انسان چونکہ ایک کامل ذی شعور مخلوق ہے اور اللہ تعالیٰ نے اُسے زمین پر اپنا خلیفہ بنایا ہے' اس لیے اُسے قانون فطرت کے علاوہ ''احکامات خداوندی'' پر عمل کے قانون کا بھی پابند کیا گیا ہے۔ یہ انسان کو انبیا اور مرسلین کی وساطت سے وحی کے ذریعے دیا گیا ہے۔ قانونِ فطرت کے نتائج کا تعلق صرف اس دنیوی زندگی سے ہے' جب کہ احکاماتِ خداوندی پر عمل کے نتائج کا تعلق دنیا و آخرت دونوں کے ساتھ یکساں ہے۔ اکیلے قانون فطرت پر عمل کرنے والی قوم کے ساتھ تائید ایزدی کا کوئی وعدہ نہیں' جب کہ احکاماتِ خداوندی پر عمل کرنے والی قوم کے لیے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی جیسی عظیم نعمت کی خوشخبری ہے اور اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنی مدد کے ذریعے نہ صرف ترقی' بلکہ حقیقی عروج اور دنیا پر غلبے کا وعدہ بھی کیا ہے' اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنے وعدے کے خلاف کبھی نہیں کرتا۔ آخرت کا بے کراں اجر اس کے علاوہ ہے۔

یہ کوئی فلسفہ طرازی نہیں بلکہ عین قانون فطرت ہے کہ فحاشی اور بے حیائی کے مظاہر اور انکارِ خداوندی کے باوجود وہ قومیں ایک خاص عرصے تک زندہ رہ سکتی ہیں جو اپنے باطل عقیدے سے مخلص ہوں' اس کے نفاذ

کے لیے بھرپور جدوجہد کرنے اور دنیا میں کسی بڑے فساد اور بگاڑ کا باعث نہ بنیں۔ دوسری طرف خدا پر کامل ایمان اور اس کی ظاہری رسومِ عبودیت کے باوجود کوئی قوم زندہ نہیں رہ سکتی اگر اس کا زندگی میں رویہ منافقانہ ہو اور عدل وانصاف سے انحراف کی روش پر قائم ہو۔ یہ اٹل قانونِ خداوندی ہے جسے کوئی تبدیل نہیں کرسکتا۔

اب ہمیں اس بات کا جائزہ لینا ہے کہ دنیا میں اس وقت ایسی کون سی قومیں ہیں جو اپنے ایمان، عقیدے اور مذہب کی بنیاد پر کوئی ٹھوس نظریۂ حیات رکھتی ہیں۔ یہودیت اور عیسائیت الہامی مذاہب ہونے کے باوجود اپنی دینی اساس کو بڑی حد تک چھوڑ چکے ہیں اور گمراہی کا شکار ہیں۔ یہودی اپنی یہودیت میں گم ہیں، جب کہ عیسائیت میں مذہب محض شناخت کے لیے ہے اور شناخت بھی دوسری۔ ان کی پہلی شناخت وطنی قومیت ہے۔ بودھ مت، ہندومت اور شنٹوازم وغیرہ اس وقت محض اوہام پر قائم ہیں۔ اُن کے ہاں مذہب محض کبھی کبھار پوجاپاٹ کا نام ہے۔ یہ تمام مذاہب اپنے ماننے والوں کو اِن کی اجتماعی زندگی کے لیے کوئی قوانین اور احکامات نہیں دیتے۔ اگر کوئی ایسے قوانین واحکامات ہیں بھی تو اس کے ماننے والے انھیں قابلِ عمل نہیں سمجھتے اور وہ انھیں اپنی عملی زندگی سے خارج کر چکے ہیں اور انھوں نے قانون دہندہ کی حیثیت سے اپنے مذہب اور عقائد سے دست برداری اختیار کرلی ہے۔ اس لیے اب یہ تمام مذاہب ہمارے زیرِبحث نہیں رہے کیونکہ اُن کے پاس عقیدے کی بنیاد پر کوئی فکری اساس نہیں۔ اب وہ جو نظام بھی اختیار کریں اس میں منافقت کا کوئی پہلو نہیں ہوگا کیونکہ اُن کا یہ نظام ہی اُن کا عقیدہ ہوگا۔ البتہ مسلمانوں کا معاملہ اس سے قطعی مختلف ہے۔ روزِ اول سے لے کر آج تک ان کا دین زندہ وتابندہ اور متحرک ہے۔ اس میں آج تک نہ کوئی اضافہ کیا گیا ہے اور نہ اِس کے کسی اصول کو دقیانوسی ہی قرار دے کر چھوڑا گیا ہے۔ یہ اپنی تمام جزئیات کے ساتھ اپنے ماننے والوں کے دل ودماغ میں تروتازہ اور پوری قوت کے ساتھ ان پر حاوی ہے۔ اس کے ماننے والوں کی عظیم اکثریت اس بات پر پختہ ایمان رکھتی ہے کہ ان کا دین قوانین وضوابط اور احکامات کی بنیاد پر مسلمانوں کے لیے ایک اجتماعی ضابطۂ حیات کی ٹھوس بنیاد مہیا کرتا ہے۔ اس لیے مسلمانوں پر کسی ایسے نظام کو مسلط کرنے کی کوشش کرنا جس کی بنیاد اسلام نہ ہو، حقائق سے آنکھیں بند کرنا اور ایک غیر دانش مندانہ اقدام ہوگا۔ اس کا عملی نفاذ ایک لاحاصل کوشش، بے ثمر جدوجہد اور قوم کو زوال کی طرف دھکیلنے کی ایک ملک دشمن کوشش ہوگی۔

ہر مسلمان کا یہ ایمان ہے کہ دین کی جزئیات تک پر عمل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔ کوئی مسلمان چاہے عمل میں کوتاہی کا مرتکب ہی کیوں نہ ہو، ایمان کی حد تک وہ باعمل مسلمان ہی کی طرح ہے۔ مسلم معاشرے میں مساجد کا بڑی تعداد میں پایا جانا، اذان کی صدا پر لبیک کہنا، جمعۃ المبارک کے روز نماز کا خصوصی اہتمام، مدارس دینیہ کا قیام اور ہزاروں طلبہ کا علوم دین سیکھنا، قرآن سیکھنا اور تلاوت کے ساتھ حفظ قرآن کا خصوصی اہتمام اور

حفاظ کا بڑی تعداد میں پایا جانا' اسلامی تعلیمات پر ایمان رکھنا' ان شاء اللہ' ماشاء اللہ' بسم اللہ' لاحول ولاقوۃ وغیرہ جیسے الفاظ کا عام استعمال--- اس بات کا ثبوت ہے کہ اسلام ان کی فطرت کا حصہ ہے۔ یہاں تک کہ کوئی مسلمان قبلہ رُخ ہوکر پیشاب نہیں کرتا اور قبلہ رُخ ٹانگیں پھیلا کر کسی صورت میں نہیں سوتا۔ قرآن پاک کو کسی نیچی جگہ پر رکھنا تو دُور کی بات ہے اس کی طرف پیٹھ کر کے بیٹھنا بھی ایک مسلمان گناہ سمجھتا ہے۔ اگر کوئی عربی تحریر گری پڑی مل جائے تو ایک مسلمان یہ سمجھ کر اٹھالے گا کہ شاید یہ قرآنی آیت ہو چاہے حقیقت میں وہ کوئی اشتہار ہی کیوں نہ ہو۔ ایک مسلمان چاہے قرآن پاک کے مندرجات کے بارے میں کچھ نہ جانتا ہو لیکن اُس کا اس بات پر پختہ ایمان ہے کہ قرآنِ پاک ہی اصل ہدایت اور کامیابی ونجات کی راہ ہے۔ یہ بھی ایک تاریخی حقیقت ہے کہ مسلمانوں نے جب بھی بڑے پیمانے پر قربانیاں دیں اور سر دھڑ کی بازی لگائی تو وہ بھی دین کی خاطر ہی لگائی ہے۔ صرف اس حوالے سے ہی ایک عام مسلمان کی اسلام کے بارے میں سوچ اور والہانہ وابستگی اور قرآن پاک سے شدید عقیدت کا اندازہ آسانی سے لگایا جاسکتا ہے۔

یہ پہلو بھی قابل غور ہے کہ ساری دنیا میں مغربی جمہوری نظام کامیابی سے چل رہا ہے' آخر یہ مسلمان ممالک ہی میں ناکام کیوں ہے؟ مغلوب ذہنوں کے فہم وادراک سے عاری مقتدر لوگ اس پر غور وفکر کے لیے تیار ہی نہیں۔ اس کی اصل وجہ یہی ہے کہ مسلمانوں کے دلوں میں اس کا کوئی تقدس نہیں اور جس نظام کا تقدس دلوں میں نہ ہو وہ کبھی کامیاب نہیں ہوسکتا۔ برطانیہ میں انجیل مقدس کو زمین پر رکھا جاسکتا ہے لیکن قومی پرچم کی اس طرح توہین نہیں کی جاسکتی کیونکہ یہ اُن کے ہاں اس نظام کا نشان ہے جس نظام کو اُن کے ہاں تقدس کا درجہ حاصل ہے۔ بچے قومی پرچم کو لہراتا دیکھ کر اس کی تکریم اور احترام کی وجہ سے سینے پر انگلی سے صلیب کا نشان بناتے ہیں۔ پوری قوم کے دلوں میں تقدس کی بنا پر یہ دنیا کا کامیاب ترین نظام ہے۔ اگر مسلمان بھی یہودیوں' عیسائیوں اور دوسرے مذاہب کے لوگوں کی طرح اپنے دین سے دست بردار ہوجائیں تو سیکولر نظام اُن کے ہاں بھی اسی طرح کامیاب ہوسکتا ہے۔ لیکن غور طلب بات یہ ہے کہ کیا مسلمان ایسا کریں گے؟--- دست برداری تو دُور کی بات ہے مسلمانوں کی عظیم اکثریت تو اس کے متعلق سوچنا بھی گناہ سمجھتی ہے۔

بعض دانش ور کہتے ہیں کہ سیکولرازم کا مطلب مذہب مخالفت نہیں۔ اِن کی یہ بات دانش ورانہ دیانت کے خلاف ہے۔ سیکولرازم میں جب ایسے کاموں کی قانونی اجازت دی جاتی ہے بلکہ انھیں قانونی تحفظ بھی فراہم کیا جاتا ہے اور اُن کی حوصلہ افزائی بھی کی جاتی ہے جنھیں مذہب سختی سے منع کرتا ہے اور اُنھیں حرام قرار دیتا ہے تو پھر یہ مذہب کے معاملے میں غیر جانب دار کس طرح ہے بلکہ لازماً یہ اس سے متصادم ہے۔ مثال کے طور پر اسلام سود کو حرام قرار دیتا ہے' جب کہ سیکولر نظام میں اس کو قانونی تحفظ فراہم کیا جاتا ہے۔ بہت سے ممالک میں

بغیر نکاح میاں بیوی کی حیثیت سے رہنے اور ہم جنس پرستی کی قانوناً اجازت ہے' جب کہ دنیا کے ہر مذہب میں اس کی سختی سے ممانعت ہے۔ اسی طرح سیکولرازم کے بارے میں ایک دلیل یہ بھی دی جاتی ہے کہ یہ فرد کے عقیدے سے کوئی غرض نہیں رکھتا۔ لیکن سیکولر حکومت کا اپنے قوانین اور نظام کی اطاعت چاہنا اس کی نفی کرتا ہے۔

ہر مذہب اور نظام کی طرح اسلام بھی اپنے ماننے والوں سے کامل اطاعت کا مطالبہ کرتا ہے۔ عبادات ہوں یا نظامِ حکومت' تجارت و معیشت کا شعبہ ہو یا معاشرتی تعلقات' صلح کی بات چیت ہو یا حالتِ جنگ' جرم و سزا ہو یا عدل و انصاف' علم و ہنر ہو یا تفریح کے مواقع وہ ہر شعبۂ زندگی کے لیے واضح ہدایات دیتا ہے۔ اسلام اپنے آپ کو قطعی انداز میں روشنی کہتا ہے اور دوسرے نظریات اور غیر الہامی ادیان کو بلا استثنا تاریکی قرار دیتا ہے۔ وہ تاریکی سے کسی طور پر بھی مفاہمت کے لیے تیار نہیں۔ باطل نظریات ''کچھ دو اور کچھ لو'' کی بنیاد پر مفاہمت کر لیتے ہیں لیکن اسلام اس بنیاد پر مفاہمت کے لیے ہرگز تیار نہیں۔ کیونکہ اس کا دعویٰ ہے کہ وہ اپنی ذات میں خود روشنی کا منبع ہے۔ اس لیے اس کا کوئی حکم منسوخ نہیں' اس کا کوئی ضابطہ متروک نہیں اور اس کا کوئی قانون کالعدم نہیں۔ یہ خود اپنی ذات میں متحرک ہے اور اپنے ماننے والوں کو زبردست تحریک فراہم کرتا ہے اور مسلمان اس دعوے کو عین حقیقت کے مطابق پاتے ہیں۔

عملی نتائج کا جائزہ

اب ہم قانون فطرت کے تحت فکر و عمل کے تضاد سے قوموں کے کردار پر مرتب ہونے والے عملی نتائج کا جائزہ لیں گے۔ یہ جائزہ پاکستان کے حوالے سے لینا بہتر ہوگا کیونکہ یہاں کا منظر نامہ پوری طرح ہمارے سامنے ہے جس کا مشاہدہ بھی ہے اور عملی تجربہ بھی۔

دنیا میں فکر و عمل کے تضاد یا دوسرے لفظوں میں منافقت کا سب سے بڑا شکار پاکستانی معاشرہ ہی ہے۔ اس کی ایک ٹھوس وجہ ہے۔ جہاں جتنا تقدس کا درجہ بلند ہوگا وہاں اس کی پامالی اتنا ہی بڑا جرم اور اس کی سزا اتنی ہی سخت ہوگی۔ دنیاے اسلام میں پاکستان وہ واحد ملک ہے جو دین اسلام کی بنیاد پر وجود میں آیا لہٰذا یہاں کے عوام کے دل میں اسلام کے حوالے سے تخلیقِ پاکستان کو ایک بلند درجے کا تقدس حاصل رہا ہے۔ اس سے اُن کی بہت سی امنگیں اور آرزوئیں وابستہ تھیں اور ہیں اور اُن کو یقین تھا کہ پاکستان اُن کی امنگوں اور آرزوؤں کا مظہر ہوگا اور وہ تصور میں پاکستان کے اندر اسلام کی نشاتِ ثانیہ کا ظہور دیکھتے تھے۔ لیکن جو اس کا نتیجہ نکلا وہ بالکل اس کے برعکس تھا۔ حکمرانوں نے اوّل روز ہی سے اسلام کے بارے میں منافقانہ رویہ اپنایا۔ اِن کے اس منافقانہ کردار کے اثرات تمام قومی اداروں پر مرتب ہوئے اور یہ اثرات آہستہ آہستہ غیر محسوس طریقے سے قوم

کی اکثریت میں بھی سرایت کر رہے ہیں۔ اگرچہ ہمارے ہر دور کے حکمران اسلام کے بارے میں ہمیشہ ایک مخمصے کا شکار رہے ہیں لیکن اس حقیقت کو بھی نظرانداز نہیں کیا جا سکتا کہ سیکولرازم کی زلف کے اسیر ہونے کے باوجود وہ عوامی ردّعمل کے خوف سے کھلے بندوں اس کے اظہار اور حمایت سے گریزاں رہے۔

منافقت کا خاصہ یہ ہے کہ وہ انسان کو پست اخلاق بنا دیتی ہے اور اخلاق و کردار کی یہ پستی جرأت و جذبے کو روند کر گزرتی ہوئی حوصلوں کو پست کر دیتی ہے۔ اس لیے ایسے پست حوصلہ معاشرے اپنے حقوق کا تحفظ کرنے کے بھی قابل نہیں رہتے بلکہ اس سے بڑھ کر اپنے حقوق کا ادراک بھی کھو بیٹھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ عوام پسے جا رہے ہیں لیکن خاموش' راضی بہ رضا اور دم بخود بیٹھے ہیں۔

قانونِ فطرت کے فہم سے عاری ہر دور کے حکمران معاشی مسئلے کو فی نفسہٖ بنیادی مسئلہ سمجھتے ہیں۔ حالانکہ گمبھیر معاشی مسئلہ منافقت سے پیدا ہونے والے اخلاقی زوال اور معاشرتی انحطاط کا ایک بڑا لیکن ضمنی نتیجہ ہے۔ موجودہ فوجی حکمرانوں کی سوچ اس معاملے میں کچھ زیادہ ہی آگے ہے۔ وہ سرمایہ کاری اور ترقیاتی منصوبوں کے بڑے بڑے دعووں کے ساتھ ملک کی معاشی کایا پلٹ دینے کی نوید سنا رہے ہیں۔ اُن کو معلوم نہیں کہ قانونِ فطرت کے خلاف انسان کی کوئی بڑی سے بڑی کاوش اور منصوبہ کامیاب نہیں ہوسکتا۔ منافقانہ طرزِعمل کی حامل' اخلاقی زوال سے دوچار اور جہالت کے اندھیروں میں ڈوبی ہوئی قوم کے قدموں میں چاہے دنیا بھر کے خزانوں کے ڈھیر ہی کیوں نہ لگا دیے جائیں' وہ اُن کی بندر بانٹ اور لوٹ مار تو کر سکتی ہے لیکن مثبت طور پر اس سے کوئی خاطرخواہ فائدہ حاصل نہیں کر سکتی۔ دوسری طرف حکمران ہیں کہ عقل و فہم کے ذریعے قانونِ فطرت کو سمجھنے کے لیے تیار نہیں اور گھوڑے کے آگے گاڑی جوتنے پر بضد ہیں اور عالمی طاقتوں کے آلۂ کار بن کر اخلاقی زوال کو اپنی شعوری کوششوں سے مزید گہرا کرنے اور سیکولرازم کو عملی صورت دینے کے منصوبے پر عمل پیرا ہیں جو عالمی طاقتوں اور اُن کے مالیاتی اداروں اور نام نہاد مشیروں نے ترقی کے نام پر اُن کو دیا ہے' اور جسے این جی اوز قسم کی عالمی گماشتہ تنظیموں کے ذریعے روبہ عمل لایا جا رہا ہے۔

قوم منافقت کے جس المیے سے دوچار ہے اس سے کئی قسم کی معاشرتی اور نفسیاتی بیماریوں نے جنم لیا ہے اور ان ہی پیچیدگیوں سے پیدا ہونے والے بے شمار عوارض نے قوم کے جسد کو بے وزن' لاغر اور مضمحل کر دیا ہے۔ وہ قوم جو دنیا کی جملہ اقوام کی رہنمائی کے لیے اُٹھی تھی اور جس نے کائنات کو تسخیر کرنا تھا آج وہ انھی قوموں کے در پر اپنی حاجتوں کے کشکول لیے کھڑی ہے۔

عمومی طور پر اُمت مسلمہ کے لیے اور خصوصی طور پر پاکستانی قوم کے لیے یہ ایک لمحہ فکریہ ہے! بنیادی مسئلہ یہاں قیادت کی تبدیلی کا ہے۔ ایک ایسی مخلص' بے ریا' روشن خیال اور حکیمانہ فکر کی حامل دانا و بینا قیادت

اُٹھانے کی ضرورت ہے جو قوم کے اصل مرض کو سمجھنے' اُسے دُور کرنے اور درپیش مسائل کو اس کے صحیح تناظر میں حل کرنے کی بھرپور صلاحیت کی حامل ہو۔ اس کے پاس عزم و ہمت بھی ہو اور جوش و جذبہ بھی' عقل و دانش بھی اور فہم و ادراک بھی۔ جو قوم کو اس کی اصل نظریاتی اساس پر استوار کر کے ایک تابناک مستقبل کی طرف گامزن کردے۔

عالمی سطح پر مسلمانوں کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ مغرب کی شاطرانہ چالوں کا صحیح ادراک حاصل کریں اور پھر اس کا رد پیدا کریں۔ دنیا بھر کی اسلامی تحریکوں میں رابطے استوار کیے جائیں اور جدید ذرائع ابلاغ پر کنٹرول حاصل کر کے اُسے دنیا کے ہر فرد تک رسائی کا ذریعہ بنایا جائے' اور اسلام کے بارے میں اس جھوٹ اور مکروفریب کے تاثر کو توڑا جائے جو مغرب نے اپنے مذموم مقاصد کے حصول کے لیے اسلام کا چہرہ مسخ کر کے قائم کیا ہے۔ دین کی عمومی اساس پر دستیاب عوامی قوت کے منظم اور بھرپور استعمال' انقلابی اقدامات اور جدوجہد کے ذریعے ملک کے اندر سیاسی بالادستی حاصل کی جائے اور احکامات خداوندی کو نافذ کر کے افراد اور قوم کی کردارسازی پر خصوصی توجہ دی جائے۔ مادی وسائل کے بھرپور استعمال سے بنیان مرصوص اور عسکری قوت میں اضافہ کیا جائے۔ علوم وفنون اور ٹکنالوجی پر دسترس کے ذریعے کفار کے غلبے اور مغرب کی ہر طرح کی غلامی اور ذہنی مرعوبیت سے نجات حاصل کی جائے۔ پھر اللہ تعالیٰ لازماً اپنا وعدہ پورا کرے گا۔ یقیناً اللہ اپنے وعدے کے خلاف کبھی نہیں کرتا۔

اس وقت اسلام بری طرح مغلوب' مسلمان اخلاقی طور پر زوال پذیر' معاشی طور پر دست نگر اور عالمی سطح پر بے وزن ہیں۔ دوسری طرف یہ بھی حقیقت ہے کہ اسلام عین حق اور روشنی ہے۔ تاریکی میں بھٹکنے والوں کے لیے اس میں بڑی کشش ہے۔ مغرب کی مادہ پرست تہذیب کے اندر اب لوگوں میں جو روحانیت کی طلب پیدا ہو رہی ہے اسلام اس طلب کو پورا کرنے کی زبردست قوت رکھتا ہے۔ ان حالات میں اگر مسلمان کردار کی مضبوطی کے ساتھ' اللہ کے بھروسے پر اسلام کی نظریاتی دعوت کو عام کرنے' عوام کو منظم کرنے اور دین کو غالب کرنے کے لیے بھرپور اور منظم جدوجہد کریں تو وہ وقت بھی آئے گا کہ جب یَدْخُلُوْنَ فِی دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا کے قول ربانی کے مطابق لوگ فوج درفوج اسلام میں داخل ہوں گے۔

اس طرح مغرب اور غیر مسلم دنیا کے اندر' خود انھی میں سے' اسلام قبول کرنے والوں کی ایک موثر تعداد پیدا ہو جائے گی۔ یہ آبادی عالم اسلام کے لیے بڑی تقویت کا باعث ہوگی۔ یہ نئے پُرجوش مسلمان خود اپنے ملکوں میں اسلام کے خلاف اپنے ملکوں کی پالیسیوں اور سازشوں میں مزاحم ہوں گے۔ غیر مسلم دنیا اور خاص طور پر مغرب بالکل ایک نئی صورتِ حال سے دوچار ہوگا۔ اِس سے اُن کی شاطرانہ چالیں اور جارحانہ قوت دم توڑ جائے گی اور مسلمان ایک نئے دور کا آغاز کریں گے۔ ان شاء اللہ!